جاوید احمد غامدی کے تفردات

سید محمد کاشف

ریسرچ اسکالر شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی

ABSTRACT:

We are in the reign of technology, where things, concepts, and beliefs develop promptly. Same the case with religious science that we couldn't move forward with primordial ways and tools, religious philosophy needed fresh approaches to convey its message and make its key vibrant. As per as Islam is concerned this is no doubt that it has not only potential to meet the requirements of current era but for all times of futures also. Muslims scholars had always played their role to make people of their time to satisfy their religious need and accomplish the challenges. In indo-Pak Subcontinent Chief role played by Shah Waliullah Muhaddith Dehlvi. From this intelligent dynasty one of our ages is Mr. Javed Ahmed Ghamidi. His main theme work is to confined religion to its original context and makes it purify from revised versions. Present study deals with his major differences with the rest of traditional and contemporary discusses Beliefs, Second coming of Ulamas. This article Jesus, Mehdi's Advent, Procession, Sources of Religion, Hadith's place, Naskhul Quran, Seven Qirats. It also

discusses inheritance issues, bears in religion, photography, Music, veil for women, scarf of women, stoning for adulators, Jihad's Interpretation, and blasphemy and apostasy's punishment. We believe that there might have many confusions regarding Ghamidi's Point of View so I tried to make originally what's his own point of view not mouth's sayings. We have not intended to support or just make criticism without any argument and how much we fulfill our task will become clear in next pages.

پیغمبر آخر الزماں کے بعد تبلیغ دین اور امور زندگی سے متعلق معاملات کے حل کی ذمہ داری ورثاء انبیاء علمائے دین پر ہے۔ ہر زمانے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسی شخصیات کو پیدا کیا ہے، جنھوں نے امت مسلمہ کی رہنمائی میں اپنے کردار کو انجام دیا ہے۔ کبھی ابوحنیفہ و مالک کی صورت میں تو کبھی شافعی، رازی وغزالی کی شخصیت میں۔ برصغیر میں اس کردار کو ادا کرنے میں سرخیل شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ہیں کو کہ آپ سے قبل بھی چند شخصیات گذری ہیں مگر علم وتحقیق کی جو شمع آپ نے فروزاں کی ہے اس کی مثال نہیں ہے۔ اس شمع کی روشنی میں تحقیقی سفر کو جن شخصیات نے آپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آگے بڑھایا ہے ان میں سرسید احمد خان، حمید الدین فراہی، اور علامہ اقبال صف اول کے سپہ سالار ہیں۔ علامہ اقبال اس ضمن میں وہ اہم ترین شخصیت ہیں کہ جنھوں نے اپنے زمانے کے حالات کو دیکھتے ہوئے اسلامی فکر کی تشکیل جدید پر نہ صرف زور دیا بلکہ اس موضوع پر اپنے خطبات دیئے، جس میں تشکیل جدید کس طرز پر کی جائے اس کے خدوخال پر بھی گفتگو کی ہے۔ لیکن کیا کہیے مسلمان قوم کی سادہ لوحی کہ وہ دوست کو دشمن اور دشمن کو دوست سمجھ لیتے ہیں۔ یہی حال ان شخصیات کا بھی ہے کہ ان میں سے اکثر پر کفر وگمراہی اور ایجنٹ ہونے کے فتاوے صادر ہوئے، حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ان شخصیات کی فکری غلطی کو واضح کیا جاتا اور درست فکر کو اختیار کیا جاتا۔ بہر کیف معاملات کچھ بھی ہوں یہ تمام ہی حضرات قبولیت عامہ کی وہ سند نہیں پا سکیں کہ جس کے نتیجے میں امت میں خاطر خواہ تبدیلی نمودار ہو سکے۔

علامہ اقبال کے دور میں بھی اور آپ کے بعد جن صاحبان علم وتحقیق نے اس جہت میں کام کیا ان میں، علامہ اسد، ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر فضل الرحمٰن، ڈاکٹر فضل الرحمٰن انصاری، قابل ذکر ہیں۔ علامہ اسد کی مسلم امہ کی رہنمائی کے ضمن میں کی گئی تمام کوششوں کو چونکہ نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ لیکن یہ وہ شخصیت تھے کہ جنھوں نے اسلام اور اسلام کے ریاستی، معاشی، تعلیمی نظاموں کے قیام کے لئے نہ صرف مخلصانہ کوششیں کیں ہیں، بلکہ ساتھ ہی بیش بہا تحقیقی مواد فراہم کیا ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر فضل الرحمٰن انصاری نے Back to Quran and Back to Muhammad کے نعرہ کو لگا کر سوئی ہوئی مسلم امت کو جگانے کی کوشش کی ہے۔ ساتھ ہی تحقیق وتبلیغ کے شاندار شاہکار چھوڑے ہیں۔ ان میں قابل ذکر ان کی کتاب Quranic Foundation and

Structure of Muslim Society ہے۔

ان تمام حضرات کی افکار اور متنوع و امتیازی نظریات کو نئے قالب میں ڈھال کر جداگانہ انداز میں اس فکری سلسلہ کی بیل ڈالنے والے جناب جاوید احمد غامدی صاحب ہیں ۔ جنھوں نے دین کے دائرہ کار کو اس کے اصل مقام تک محدود کرنے کی علمی و فکری اساس فراہم کی ہے۔ اور دین کو اجنبی فکر سے پاک کر کے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اپنے اس مقالے میں ہم جاوید احمد غامدی کے فکری تفردات کا جائزہ لیں گے اور کوشش کریں گے کہ ان کے موقف و دلائل کو صحیح طور پر پیش کر کے ،اگر اس میں کوئی سقم موجود ہے تو اس کی نشاندہی کر دیں۔ جاوید احمد غامدی صاحب چونکہ روشن خیال اور پڑھے لکھے طبقہ میں زیادہ مقبول ہیں ،اس کی وجہ موسیقی ،شاعری اور تصویر سازی جیسی چیزوں کے جواز کے حامی ہونا بھی ہے اور ان کی شخصیت مختلف قیاس آرائیوں اور حوالوں سے مشکوک بھی ہو جاتی ہے کہ شاید یہ حکومت کے ایجنٹ ہیں یا شاید غیر مسلموں کے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے انتخاب مقالہ جناب کے ان تفردانہ نظریات کو بنایا ہے، جو متنازع ہیں ۔اور کوشش کی ہے کہ یہ واضح کریں کہ ان تمام تفردات میں ان کے موقف کی دلیل قرآن وسنت ہی ہے یا اس کے برعکس ہے۔

زیر مطالعہ مضمون میں غامدی صاحب کے تفردات پر ایک نظر ڈالی گئی ہے جس میں نزول مسیح وظہور مہدی سے متعلق نظریات ،شفاعت کی تعبیر جدید ،دین کے ماخذ قرآن وسنت کی حیثیت ،حدیث کی درجہ بندی، نسخ القرآن قرآن کی ایک قراءت، مسائل میراث ،داڑھی ،تصویر ،موسیقی ،عورت کے چہرے کا پردہ ،دوپٹہ کا حکم ،رجم کی مختلف تعبیر ،جہاد کا موقف ،سزائے شاتم رسول ﷺ اور مرتد اہم موضوعات ہیں۔

نزول مسیح کا انکار، انتظار مسیح (حضرت عیسی علیہ السلام کا دوبارہ نازل ہونا) کا تصور تینوں الہامی مذاہب (یہودیت ، نصرانیت اور اسلام) کے ماننے والوں میں موجود ہے ۔نزول مسیح کے حوالے سے قرآن خاموش ہے اس میں اس بارے میں کوئی ثبوت نہیں ملتا، ہاں البتہ ذخیرہ احادیث میں اس نظریہ کے بکثرت شواہد ملتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ امت کا ایک بڑا طبقہ انتظار مسیح میں ہے۔ کیونکہ یہ قیامت کی نشانیوں میں سے بھی ہے۔

غامدی صاحب کے نزدیک حضرت عیسی علیہ السلام کی وفات ہو گئی ہے ،اور ان کے نزول ثانی کا انکار خود قرآن سے ثابت ہے، کو کہ صحیح احادیث بھی اس ضمن میں وارد ہوئی ہیں مگر چونکہ یہ روایات قرآن سے ٹکرا رہی ہیں اس لئے قابل قبول نہیں ہیں ۔ان کے دلائل درج ذیل ہیں۔

"اولاً ،اس لئے کہ مسیح علیہ السلام کی شخصیت قرآن مجید میں کئی پہلوؤں سے زیر بحث آئی ہے ،ان کی دعوت اور شخصیت پر قران نے جگہ جگہ تبصرہ کیا ہے۔ روز قیامت کی ہلچل بھی قرآن کا خاص موضوع ہے ،ایک جلیل القدر پیغمبر کے زندہ آسمان سے نازل ہو جانے کا واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے ،لیکن موقع بیان کے باوجود اس واقعہ کی طرف کوئی ادنی اشارہ بھی قرآن کے بین الدفتین کسی جگہ مذکور نہیں ہے۔ علم وعقل اس خاموشی پر مطمئن ہو سکتے ہیں ؟ اسے باور کرنا آسان نہیں ہے۔"

ثانیاً ،اس لئے کہ سورہ مائدہ میں قرآن نے مسیح علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالی کا ایک مکالمہ نقل کیا ہے جو قیامت کے دن

ہوگا۔اس میں اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کی اصل گمراہی کے بارے میں پوچھیں گے کہ کیا تم نے یہ تعلیم دی تھی کہ مجھ کو اور میری ماں کو خدا کے سوا معبود بناؤ۔اس کے جواب میں وہ دوسری باتوں کے ساتھ یہ بھی کہیں گے کہ میں نے تو ان سب کو وہی بات کہی جس کا آپ نے حکم دیا تھا اور جب تک میں ان کے اندر موجود رہا،اس وقت تک دیکھتا رہا کہ وہ کیا کر رہے ہیں،لیکن جب آپ نے مجھے اٹھالیا تو میں نہیں جانتا کہ انھوں نے کیا بنایا اور کیا بگاڑا ہے۔اس کے بعد تو آپ ہی ان کے نگران رہے ہیں۔اس میں دیکھ لیجئے مسیح علیہ السلام اگر ایک مرتبہ پھر دنیا میں آ چکے ہیں تو یہ آخری جملہ کسی طرح موزوں نہیں ہے۔اس کے بعد تو انہیں کہنا چاہیے کہ میں ان کی گمراہی کو اچھی طرح جانتا ہوں اور ابھی کچھ دیر پہلے ہی انہیں اس پر متنبہ کر کے آیا ہوں۔

ماقلت لهم الاماامرتني به ان اعبدوا الله ربي وربكم وكنت عليهم شهيداماادمت فيهم فلماتوفيتني كنت انت الرقيب عليهم، وانت على كل شيء شهيد. (المائدہ:۱۱۷)

ثالثاً،اس لئے کہ سورہ آل عمران کی ایک آیت میں قرآن نے مسیح کے بارے میں قیامت تک کالائحہ عمل بیان فرمایا ہے۔یہ موقع تھا کہ قیامت تک کے الفاظ کی صراحت کے ساتھ جب اللہ تعالیٰ وہ چیز بیان کر رہے تھے جو ان کے اور ان کے پیروؤں کے ساتھ ہونے والی ہیں،تو یہ بھی بیان کر دیتے کہ قیامت سے پہلے میں ایک مرتبہ پھر تجھے دنیا میں بھیجنے والا ہوں،مگر اللہ نے ایسا نہیں کیا۔سیدنا مسیح کو آنا ہے تو یہ خاموشی کیوں؟اس کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔آیت یہ ہے:

اني متوفيك ورافعك الي ومطهرك من الذين كفروا وجاعل الذين اتبعوك فوق الذين كفروا الى يوم القيامة، ثم الي مرجعكم فاحكم بينكم فيما كنتم فيه تختلفون.

(آل عمران ۳:۵۵)(۱)

نزول مسیح کے انکار کا موقف غامدی صاحب کے علاوہ درج ذیل کا بھی ہے۔علامہ تمنا عمادی (انتظار مہدی و مسیح)،علامہ اقبال (خطبات)،علامہ عبید اللہ سندھی (عقیدہ انتظار مسیح و مہدی)،علامہ حبیب الرحمٰن کاندھلوی (عقیدہ ظہور مہدی)،علامہ اسحاق صدیقی ندوی (قرآن کریم و سنت متواترہ اور مہدی و مسیح کا مسئلہ)،ابوالکلام آزاد (ملفوظات) عزیز اللہ بوہیو (ولدیت و وفات عیسیٰ)،ابوالخیر اسدی (قرآن میں نزول مسیح کا حتمی فیصلہ مجلس نشر الحق،ملتان)۔

ظہور و وجود مہدی کا انکار ظہور مہدی کے حوالے سے غامدی صاحب کا موقف یہ ہے کہ:"ظہور مہدی کی روایتیں محدثانہ تنقید کے معیار پر پوری نہیں اترتیں۔ان میں کچھ ضعیف اور کچھ موضوع ہیں۔اس میں شبہ نہیں کہ بعض روایتوں میں جو سند کے لحاظ سے قابل قبول ہیں،ایک فیاض خلیفہ کے آنے کی خبر دی گئی ہے لیکن دقت نظر سے غور کیا جائے تو صاف واضح ہو جاتا ہے کہ اس کا مصداق سیدنا عمر بن عبد العزیز تھے جو خیر القرون کے آخر میں خلیفہ بنے۔رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی ان کے حق میں حرف بہ حرف پوری ہو چکی ہے۔اس کیلئے کسی مہدی موعود کے انتظار کی ضرورت نہیں ہے۔"(۲)ظہور مہدی کی روایتوں پر تنقید مشہور مورخ و عمرانیات دان ابن خلدون نے اپنی تاریخ پر لکھی گئی کتاب میں کی ہے۔(تاریخ ابن خلدون،ج ۱،ص:۳۱۱-۳۳۴،مکتبہ شاملہ)

اسلام کے دو بڑے گروہ سنی و شیعہ دونوں ہی حضرات امام مہدی کے منتظر ہیں۔فرق صرف اس میں ہے کہ وہ پیدا ہو چکے

ہیں یا ہوں گے، اول الذکر کے مدعی شیعہ حضرات ہیں جبکہ آخر الذکر کے قائل سنی حضرات ہیں۔

شفاعت کی تعبیر: نبی کا اصل فریضہ انذار و بشارت ہے، مگر اس کے ساتھ وہ خدا کے حضور میں بندوں کی شفاعت بھی کرتا ہے۔ شفاعت کیا ہے؟ بندہ جب مغفرت چاہتا ہے تو اس کے ساتھ ہو کر یہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی درخواست ہے۔ شفاعت کا اصل مفہوم یہی ہے۔ لہٰذا بندے کی طرف سے توبہ و استغفار کے بغیر اس کا کوئی تصور نہیں ہے۔ شفاعت کرنے والا استغفار میں فروتنی اور مغفرت چاہنے والے کی زبان ہوتا ہے اور دعا و مناجات اور خضوع و تذلل میں اس کا وسیلہ بن جاتا ہے۔۔۔۔۔

اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ بندوں کو توبہ و استغفار کی دعوت دی ہے، فرمایا ہے کہ میرے بندو، تم نے اپنی جانوں پر ظلم ڈھایا ہے تو میری رحمت سے مایوس نہ ہو، تمہارا پروردگار غفور و رحیم ہے۔ تم اس کی طرف رجوع کرو گے تو وہ تمہارے تمام گناہ کو بخش دے گا۔ یاد رکھو، ایمان والے اس کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہوتے (الزمر ۳۹: ۵۳، یوسف ۱۲: ۸۷) پھر توبہ و استغفار کیلئے اپنی یہ سنت بھی واضح کر دی ہے کہ گناہ کے بعد جتنی جلدی ممکن ہے، توبہ کر لینی چاہیے۔ اس لئے کہ اللہ پر صرف انہی لوگوں کی توبہ کا حق قائم ہوتا ہے جو جذبات سے مغلوب ہو کر کوئی گناہ کر بیٹھتے ہیں، پھر توبہ کر لیتے ہیں، ان لوگوں کی توبہ اللہ کے نزدیک کوئی توبہ نہیں جو زندگی بھر گناہوں میں ڈوبے رہتے ہیں اور جب دیکھتے ہیں کہ موت سر پر آن کھڑی ہوئی ہے، تو توبہ کا وظیفہ پڑھنے لگتے ہیں۔ (النساء ۴: ۱۷-۱۸)

اس میں غور کیجئے تو ان لوگوں کے حال پر اللہ تعالیٰ نے خاموشی اختیار فرمائی ہے، جو گناہ کے بعد جلد ہی توبہ کر لینے کی سعادت تو حاصل نہیں کر سکے، لیکن اتنی دیر بھی نہیں کی کہ موت کا وقت آن پہنچا ہو۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں شفاعت کی توقع ہو سکتی ہے۔ چنانچہ قرآن نے اس کا اثبات کیا ہے، لیکن اس کے ساتھ ان غلط تصورات کی تردید بھی پوری صراحت سے کر دی ہے جو لوگوں نے شفاعت کے بارے میں قائم کر رکھے ہیں اور جن سے عدل اور جزا و سزا کے وجوب کی نفی ہوتی ہے۔ (۳)

مذکورہ بالا موقف کے برعکس علمائے امت کی اکثریت جس نظریے کی حامی ہے، وہ یہ ہے کہ:

> "اللہ اپنے فضل عمیم سے روز حشر اپنے گناہگاروں کو بخش دے گا۔ بندے اسی کے مجرم ہیں وہی بخشنے والا ہے۔ اس بخشش میں اس کا کوئی اجارہ نہیں، کسی کا زور نہیں، وہی تنہا اس مغفرت اور کرم گستری کا مالک ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے مقبول اور مقرب بندوں کی عزت اور وجاہت دکھلانے کے لئے اپنے محبوب اور پسندیدہ بندوں کی شان ظاہر کرنے کے لئے اپنے عباد خواص کی خصوصیت جتلانے کے لئے ان کو روز حشر یہ اعزاز بخشے گا، یہ مقام عطا فرمائے گا، انہیں اجازت دے گا، اذن مرحمت فرمائے گا کہ وہ اس کے گناہگار بندوں کی شفاعت قبول فرما کر بے حساب گناہگاروں کو بخش دے گا۔" (۴)

دنیا اور آخرت میں صغائر اور کبائر کی مغفرت اور تخفیف عذاب اور بعض کفار کے لئے تخفیف عذاب اور رفع درجات ہر قسم کی شفاعت کے قائل ہیں، خواہ یہ شفاعت، بالاذن ہو، بالوجاہت ہو، یا بالمحبت ہو۔ (۵) اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو جو مقامات عطا فرمائے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنے محبوب کی شفاعت کو قبول کرتا ہے، اس کی درخواست کو مان لیتا ہے۔ اگر قبول نہ کرے نہ مانے تو اس کو کوئی رنج نہیں ہوتا لیکن نہ ماننا، نہ قبول کرنا، اس مقام محبت کے خلاف ہے جو اس نے اس محبوب کو عطا کیا ہے۔ خود

فرماتا ہے کہ جب میں اپنے بندہ کو محبوب بنالیتا ہوں تو اعطیٰ علی لاعطیہ، جب وہ محبوب مجھ سے سوال کرے تو میں ضرور بالضرور دیتا ہوں۔ اسی طرح اس عبد وجیہ کی بات نہ ماننا اس عزت اور وجاہت کے خلاف ہے جو اس نے اپنے مقبول اور مقرب بندہ کو عنایت فرمائی ہے۔ (۶)

صورت اختلاف اس میں ہے کہ غامدی صاحب کے نزدیک:

"شفاعت کا اختیار صرف اللہ کو ہے، اس کی اجازت کے بغیر کوئی شخص بھی شفاعت نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ اس کے مقرب فرشتے بھی اپنی طرف سے آگے بڑھ کر کوئی بات نہیں کر سکتے۔ اس لئے پہلے خدا کو راضی کرنا ضروری ہے تاکہ شفاعت کا اذن ملے اور وہ قبول بھی ہو جائے:

کیا انہوں نے خدا کو چھوڑ کر دوسروں کو شفیع بنا رکھا ہے، ان سے کہو کیا وہ شفاعت کریں گے، خواہ ان کے اختیار میں کچھ نہ ہو اور وہ کچھ نہ سمجھتے ہوں؟ کہہ دو کہ شفاعت تمام تر اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ زمین و آسمان کی بادشاہی اسی کی ہے، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ (الزمر ۳۹:۴۳-۴۴)

اور یہ کہتے ہیں کہ رحمٰن کے اولاد ہے، سبحان اللہ، وہ تو (اس کے) مقرب بندے ہیں، وہ اس کے حضور کبھی بڑھ کر نہیں بولتے اور اس کے حکم ہی کی تعمیل کرتے ہیں۔ (الانبیاء ۲۱:۲۶-۲۸)

دوسری بات یہ فرمائی ہے کہ اذن الٰہی کے بعد اسی کے بارے میں زبان کھولنے کی اجازت ہوگی جس کیلئے اللہ پسند فرمائے گا۔ کوئی شخص اپنی مرضی سے کسی کے متعلق کوئی بات نہ کر سکے گا۔

وہ ان کے آگے اور پیچھے کی ہر چیز سے واقف ہے اور وہ کسی کی شفاعت نہ کریں گے، سوائے اس کے کہ جس کے حق میں اللہ راضی ہو اور وہ اس کے خوف سے ڈرے رہتے ہیں۔ (الانبیاء ۲۱:۲۸)

اس روز شفاعت نفع نہ دے گی، الا یہ کہ کسی کو رحمٰن اجازت دے اور اس کسی کے لئے کوئی بات سننا پسند کرے، وہ ان کے آگے اور پیچھے کی ہر چیز سے باخبر ہے اور ان کا علم اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ (طٰہٰ ۲۰:۱۰۹-۱۱۰)

تیسری بات یہ فرمائی ہے کہ جس کے لئے اللہ پسند فرمائے گا اس کے متعلق بھی وہی بات کی جائے گی جو ہر لحاظ سے صحیح ہوگی۔

(اس دن جب) وہی بولیں گے جنھیں رحمٰن اجازت دے اور وہ صحیح بات کہیں۔ (النباء ۷۸:۳۸)" (۷)

دین کے ماخذ: جاوید احمد غامدی صاحب نے اپنی کتاب میزان کی فصل اصول ومبادی میں تدبر قرآن کی بحث کے ضمن میں دین کی تاریخ بیان کرتے ہوئے، دین فطرت، سنت ابراہیمی اور نبیوں کے صحائف کو دین کے تاریخی ارتقاء کے طور پر پیش کیا ہے، جسے سمجھنے میں اکثر ناقدین کو غلط فہمی ہوئی ہے جبکہ دین کے ماخذ کے حوالے سے وہ خود رقم طراز ہیں کہ:

"۔۔۔ رسول اللہ ﷺ سے یہ دین آپ کے صحابہ کے اجماع اور قولی و عملی تواتر سے منتقل ہوا ہے اور دو صورتوں میں اس امت کو ملا ہے:

۱۔قرآن مجید ۲۔سنت"(۸)

اس لحاظ سے غامدی صاحب کے نزدیک اور دیگر امت مسلمہ میں فرق صرف اتنا ہے کہ غامدی صاحب اجماع (فقہی) اور قیاس کو ماخذ دین کے طور پر نہیں لیتے ہیں۔ہاں البتہ اہم ترین فرق سنت کے معاملے میں ہے۔کیونکہ غامدی صاحب کے نزدیک:

''سنت سے ہماری مراد دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے نبی ﷺ نے اس کی تجدید و اصلاح کے بعد اور اس میں بعض اضافوں کے ساتھ اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔قرآن میں اس کا حکم آپ کے لئے اس طرح بیان ہوا ہے''

ثم اوحینا الیک ان اتبع ملة ابراھیم حنیفا وما کان من المشرکین. (النحل ۱۶: ۱۲۳)

پھر ہم نے تمھیں وحی کی کہ ملت ابراہیم کی پیروی کرو جو بالکل یک سو تھا اور مشرکوں میں سے نہیں تھا۔(۹)

اس کے بعد غامدی صاحب 27 چیزوں کو سنت کی حیثیت سے ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں:

"سنت یہی ہے اور اس کے بارے میں یہ بالکل قطعی ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے اس میں اور قرآن مجید میں کوئی فرق نہیں ہے۔وہ جس طرح صحابہ کے اجماع اور قولی تواتر سے ملا ہے،یہ اسی طرح ان کے اجماع اور عملی تواتر سے ملی ہے اور قرآن ہی کی طرح ہر دور میں امت کے اجماع سے ثابت قرار پائی ہے۔لہذا اس کے بارے میں اب کسی بحث و نزاع کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے"(۱۰)

سنت کی اس سے قریب تر تعریف یا اس کے لئے ماخذ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تعریف سنت ہے۔

''جو شخص رسول کی شریعت مطہرہ کی چیزوں کے معانی اور وجوہ سمجھنا چاہتا ہے،وہ پہلے دو باتوں کو اچھی طرح سمجھ لے''

۱۔ان امیوں کے حالات جن کی طرف پیغمبر مبعوث ہوئے۔

۲۔آپ ﷺ کی اصلاح کا طریقہ سمجھے۔

پھر آپ جان لیں کہ آپ ﷺ ملت حنیفی اسماعیلی کے ساتھ مبعوث کئے گئے،اس کی کجی کو سیدھا کرنے کیلئے اور اس کے نور کی اشاعت کیلئے۔(۱۱)

اس تعریف کے بعد اگر فرق باقی رہتا ہے تو وہ فقط تعداد سنن اور کسی چیز کے سنت ہونے یا نہ ہونے میں ہے۔لیکن چونکہ اکثریت سنت کے اس مفہوم سے نا آشنا ہے اس لئے وہ غامدی صاحب کے تصور سنت کو ان کی ذاتی اختراع اور تحریف دین سمجھتے ہیں۔

حدیث کی حیثیت:غامدی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''نبی ﷺ کے قول و فعل اور تقریر و تصویب کی روایتیں جو زیادہ تر اخبار احاد کے طریقے پر نقل ہوئی ہیں اور

> جنھیں اصطلاح میں حدیث کہا جاتا ہے،ان کے بارے میں یہ قول تو بالکل واضح ہے کہ ان سے دین میں کسی عقیدہ وعمل کا اضافہ نہیں ہوتا۔۔۔۔۔۔ یہ چیز حدیث کے دائرے میں ہی نہیں آتی کہ وہ دین میں کسی نئے حکم کا ماخذ بن سکے،لیکن اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ نبی ﷺ کی سیرت وسوانح،آپ کے اسوہ حسنہ اور دین سے متعلق آپ کی تفہیم وتبیین کے جاننے کا سب سے بڑا اور اہم ترین ذریعہ حدیث ہی ہے۔ لہٰذا اس کی اہمیت ایسی مسلم ہے کہ دین کا کوئی طالب علم اس سے کسی طرح بے پروا نہیں ہو سکتا‘‘(۱۲)

نسخ القرآن: نسخ القرآن کے مسئلہ میں غامدی صاحب کی رائے یہ ہے کہ:"حدیث سے قرآن کے نسخ اور اس کی تحدید وتخصیص کا یہ مسئلہ محض سوءفہم اور قلت تدبر کا نتیجہ ہے۔اس طرح کا کوئی نسخ یا تحدید وتخصیص سرے سے واقع ہی نہیں ہوئی کہ اس سے قرآن کی یہ حیثیت کہ وہ میزان اور فرقان ہے، کسی لحاظ سے مشتبہ قرار پائے۔قرآن کے بعض اسالیب اور بعض آیات کا موقع محل جب لوگ نہیں سمجھ پائے تو ان سے متعلق نبی ﷺ کے ارشادات کی صحیح نوعیت بھی ان پر واضح نہیں ہو سکی۔اس طرح کی جتنی مثالیں بالعموم پیش کی جاتی ہیں،ان سب کا معاملہ یہی ہے"(۱۳) قرآنی آیات کے نسخ اور تخصیص وتحدید کے حوالے سے عام طور پر جو مثالیں دی جاتی ہیں ان میں سے بعض کی تفہیم کو ذکر کر کے غامدی صاحب نے اپنے موقف پر دلیل قائم کی ہے۔اور جتنی مثالیں اور ان کی توجیہات انہوں نے بیان کی ہیں،درست معلوم ہوتی ہیں۔اس کے علاوہ،اگر ہم اس نظریہ کو نہ مانیں تو نسخ القرآن کے حوالے سے بہت سے سوالات اٹھتے ہیں۔مثلاً ایک کتاب جس کا نزول ہی ہدایت الناس ہے،اس میں بھی کچھ چیزیں منسوخ ہیں اور اس کتاب پر تخصیص وتحدید کر کے زیادتی کی جا سکتی ہے۔تو اس میں موجود ان آیات کے نسخ کی وجہ سے ہدایت نامکمل ہی رہے گی۔ کیونکہ خود منسوخ آیات کی تعداد میں اتنا اختلاف موجود ہے کہ کوئی راہ ہدایت نہیں ملتی اور دوسرا یہ کہ قرآن کا یہ دعویٰ کہ ولقد یسرنا القرآن للذکر بھی مشکوک ٹھہرتا ہے۔دوسری اہم چیز یہ ہے کہ،نسخ کو قبول کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے فرمان:میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں اگر اسے پکڑے رہو گے تو گمراہ نہ ہو گے۔اور وہ ہے قرآن وسنت،جو تفہیم دین اور ہدایت الناس قائم رہنے کی ذمہ داری کی کیا حیثیت رہ جائے گی۔تیسری اہم چیز یہ ہے کہ وہ احادیث جو نسخ قرآن کو بتاتی ہیں کسی طور بھی اخبار احاد کے زمرے سے نہیں نکل پاتیں تو وہ کس طرح قطعی الثبوت کو منسوخ کر سکتی ہیں۔

سات قرائتیں: قرآن کریم کی تلاوت کے حوالے سے،سات قرأتیں بلکہ اسے سے بھی زائد قرأتوں کو تسلیم کرنے کا عمومی رویہ اہل علم ودانش نے اختیار کیا ہے۔لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ ہے کہ یہ مسئلہ کسی طور پر بھی اجماعی یا اتفاقی نہیں ہے بلکہ اس میں اختلاف رہا ہے اور غامدی صاحب بھی اس بارے میں قرآن کی ایک قرأت کو تسلیم کرتے ہیں:

> ’’نبی ﷺ دنیا سے رخصت ہوئے تو آپ کی قرأت یہی تھی آپ کے بعد خلفائے راشدین اور تمام صحابہ مہاجرین وانصار اسی کے مطابق قرآن کی تلاوت کرتے تھے،اس معاملے میں ان کے درمیان کوئی اختلاف نہ تھا۔بعد میں یہی قرأت قرأت عامہ کہلائی۔صحابہ کرام کا تو ان تو صرف اسی قرأت کو حاصل ہے‘‘جیسا کہ عبدالرحمن السلمی کی روایت ہے کہ:

ابوبکر و عمر، عثمان، زید بن ثابت، اور مہاجرین و انصار کی قرأت ایک ہی تھی، وہ قرأت عامہ کے مطابق قرآن پڑھتے تھے (البرھان، الزرکشی، ۱/۲۷۳)۔۔۔ اسی طرح ابن سیرین کی روایت ہے: نبی ﷺ کو آپ کی وفات کے سال جس قرأت پر قرآن سنایا گیا، یہ وہی قرأت ہے جس کے مطابق لوگ اس وقت قرآن کی تلاوت کر رہے ہیں (الاتقان، ۱/۵۰) مسلمان مغرب کے چند ملکوں کو چھوڑ کر سارے عالم میں ہر جگہ اسی کے مطابق قرآن کی تلاوت کر رہے ہیں۔ ہمارے علماء اسے قرأت حفص کہتے ہیں۔(۱۴)۔ سات قرأتوں کے تواتر سے ثابت نہ ہونے کی بنا پر درج ذیل علما بھی یہی موقف رکھتے ہیں۔ علامہ تمنا عمادی، مولانا جعفر شاہ پھلواروی، مفتی محمد طاہر مکی، مولانا عبدالقدوس ہاشمی، مولانا حکیم نیاز احمد، مولانا محمد اسحاق ندوی صدیقی، مولانا محمد حاسین صاحب، مولانا سعید احمد اکبرآبادی صدیقی ندوی(۱۵) اگر قرآن کی ایک قرأت کے بجائے سات یا اس سے زائد قرأتیں تسلیم کی جائیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ قرآن کی وہ حیثیت کہ اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں ہے، مشکوک ہو جائے گی۔

مسائل میراث: علم میراث کے ماہرین، مفسرین تفسیری و روایتی اقوال کلالہ کے بارے میں یہ ہیں کہ کلالہ ایسی میت کو کہتے ہیں جس کی نہ اولاد ہو اور نہ ہی والدین۔ قرآن مجید میں لفظ کلالہ دو مقامات پر آیا ہے اور دونوں آیتیں سورہ النساء (12 اور 176) کی ہیں اور دونوں مقامات پر بھائی بہنوں کے حصے مختلف بیان کیے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آیت الشتاء (سورۃ النساء:12) میں اخیافی (ماں شریک) بھائی بہن کے حصے بتائے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ اگر صرف ایک بہن یا ایک بھائی ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو ترکہ کا چھٹا حصہ ملے گا اور اگر زیادہ ہوں تو وہ سب ثلث میں شریک ہوں گے اور آیت الصیف (سورہ النساء: 176) میں حقیقی و علاتی (باپ شریک) بھائی بہن کے حصے مذکور ہیں وہ یہ ہیں کہ اگر ایک بہن ہو تو اسے نصف، اگر دو یا دو سے زیادہ ہوں تو وہ دو تہائی میں شریک ہوں گی اور اگر بہن بھائی دونوں ہوں تو ان میں سے ہر مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا۔ اسی وجہ سے سورہ النساء آیت: 11 میں ماں کا حصہ جو کہ چھٹا ہے اولاد نہ ہونے کے سبب تہائی ہو جائے گا۔ لیکن اگر اس میت کے بھائی بہن (دو یا اس سے زیادہ، چاہے وہ حقیقی ہو یا اخیافی یا علاتی) ہیں تو ماں کا حصہ دوبارہ چھٹا ہو جائے گا، اور بھائی بہن محروم رہیں گے۔ مسائل میراث میں غامدی صاحب عول اور کسر کے قائل نہیں ہیں اسی طرح کلالہ کا مفہوم بھی ان کے ہاں معروف معنی سے ہٹ کر ہے۔ جس کی وجہ سے سگے اور سوتیلے بھائیوں کی میراث میں بھی اختلاف ہے۔ کیونکہ غامدی صاحب کے نزدیک سوتیلے بھائیوں کو سگے بھائیوں کی موجودگی میں کوئی حصہ نہیں دیا جائے گا۔ اس کی وجہ کلالہ کے معنی کا تعین ہے۔ ان کے نزدیک کلالہ اس وارث کو کہتے ہیں جو قرابت میں باپ اور اولاد سے سوا ہو تو جس آیت سے ہمارے فقہاء سوتیلے بہن بھائیوں کا حصہ مقرر کرتے ہیں، غامدی صاحب کے نزدیک اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے پیچھے ورثا نہ رکھتا ہو تو خود کسی کو وارث بنا دے تو اس کلالہ وارث کے اگر بہن بھائی ہوں تو ان کو بھی حصہ دیا جائے گا۔ اور باقی ماندہ کلالہ وارث کا حصہ ہوگا، نہ کہ یہ سوتیلے بہن بھائیوں کے حصے کا ذکر ہے، تو لہٰذا اس سبب کسر واقع نہیں ہوگا اور نہ ہی عول کی ضرورت ہے۔ وان کان رجل یورث کلالۃ او امراۃ ولہ اخ او اخت فلکل واحد منھما السدس فان کانوا اکثر من ذلک فھم شرکاء فی الثلث من بعد وصیۃ یوصی بھا او دین غیر مضار وصیۃ من اللہ واللہ علیم حلیم۔ (النساء ۱۲) اور اگر کسی مرد یا عورت کو اس کے کلالہ تعلق کی بنا پر وارث بنایا جاتا ہے اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہے تو ان دونوں میں سے ہر ایک

کیلئے سدس ہے اور اگر بھائی بہن تعداد میں زیادہ ہوں تو جتنے بھی ہوں، وہ سب کے سب ایک ثلث میں شریک رہیں گے۔ وصیت جو کی گئی ہو یا جو قرضہ ہو اس کے ادا کرنے کے بعد مگر وہ وصیت نقصان پہنچانے کے لئے نہ کی گئی ہو، یہ وصیت ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ حکمت والا ہے۔(۱۶) کلالہ کے مسئلہ میں غامدی صاحب کی رائے ایسی رائے ہے کہ جس نے اسلام پر کیے جانے والے بے شمار اعتراضات کا راستہ روک دیا ہے۔ کیونکہ حساب کی اس غلطی کی وجہ سے اللہ پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ کیا اسے حساب بھی نہیں آتا کہ حصوں کی تعداد اس کی تقسیم کے اعتبار سے بتائے نہ کہ زیادہ کر کے بتائے۔

داڑھی کی شرعی حیثیت: جناب غامدی صاحب داڑھی رکھنے کو مستحسن گردانتے ہیں لیکن دین کی حیثیت سے اس کے لازمی ہونے کو تسلیم نہیں کرتے ہیں اور وہ تمام روایات کہ جن میں داڑھی کے وجوب کی دلیل ہے، انہیں کمزور روایات کہتے ہیں اور یہ تبصرہ کرتے ہیں کہ خود محدثین نے ان روایات کو قبول نہیں کیا ہے۔ بہر حال داڑھی کے حوالے سے امام شافعی کا موقف یہ ہے کہ داڑھی کاٹنا جائز ہے اور رکھنا ثواب ہے۔(۱۷)

تصویر کا جواز: جاوید احمد غامدی صاحب کا موقف تصویر کے جواز میں ہے۔ کیونکہ ان کے مطابق جن روایات میں تصویر کی ممانعت آئی ہے وہ مطلقاً تصاویر کے حوالے سے نہیں ہے بلکہ وہ تصاویر ہیں کہ جن کی عرب پرستش کیا کرتے تھے۔ لہٰذا اس حیثیت میں آج بھی تصویر اسی طرح حرام ہے گی جس طرح عہد رسول ﷺ میں تھی۔ اس کے علاوہ تصویر کے حرام ہونے کی وہی علت ہے جسے قرآن نے سورہ اعراف آیت ۳۳ کے تحت بیان کر دیا ہے کہ فواحش ظاہری و باطنی، گناہ اور سرکشی بغیر حق کے، یا شرک باللہ کے سبب ہے۔ تصویر کے جواز کا موقف درج ذیل کا بھی ہے: ۱۔ محمد یوسف قرضاوی، ۲۔ شیخ محمد علی صابونی، ۳۔ ڈاکٹر احمد شرباصی، ۴۔ محمد بخیت، ۵۔ شیخ عبدالرحمن عبدالخالق، ۶۔ شیخ سابق، ۷۔ شیخ ابن عثیمین (۱۸)

موسیقی کا جواز: غامدی صاحب نے فنون لطیفہ کے جواز کے لئے سورہ اعراف کی آیات ۳۲-۳۳ سے استدلال کیا ہے۔ ان کے نزدیک اصل چیز موسیقی کے ضمن میں اس کی شاعری ہے لہٰذا جس موسیقی کی شاعری فواحش، سرکشی اور شرک پر مبنی ہوگی وہ حرام ہے، اس کا سننا بھی حرام ہوگا، چاہے وہ آلات موسیقی کے ساتھ ہو یا اس کے بغیر کیونکہ اصل چیز Content ہے نہ کہ آلات۔ اور جہاں تک اس ضمن میں وارد ہونے والی روایات کا تعلق ہے تو ایک چیز تو یہ ہے کہ ان میں سے اکثر روایات کمزور ہیں اور اگر درست بھی ہیں تو ایک چیز اسلوب عربی کے لحاظ سے ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اکثر جز بول کر کل مراد لیا جاتا ہے۔ اسی طرح محل بول کر اس میں موجود شے مراد لی جاتی ہے۔ یہی معاملہ موسیقی کی روایات کا ہے، وہاں آلات موسیقی بول کر شاعری مراد لی ہے۔ جس طرح عرب کے ان مخصوص برتنوں کے نام لے کر (جن کی شہرت شراب کے استعمال کی وجہ سے تھی) شراب کو حرام ٹھیرایا ہے۔(۱۹)

بغیر آلات موسیقی کے صاف ستھری موسیقی کے جواز پر تقریباً سبھی علماء کا اتفاق ہے۔ بالخصوص علامہ غلام رسول سعیدی نے ابن ہمام کی کتاب فتح القدیر سے عبارت نقل کی ہے کہ ایسی رومانوی شاعری کو بھی جائز قرار دیتے ہیں جس میں کسی متعین عورت کے اوصاف اور جنسی اعضاء کا ذکر نہ ہو، بلکہ تخیلاتی عورت کے اوصاف کا ذکر ہو۔ (شرح صحیح مسلم، ج:۲، ص:۸۷۳-۸۷۴)

موسیقی مع آلات کے جواز کے قائل علمائے امت میں:

۱۔ امام غزالی (احیاء العلوم فی الدین)

۲۔ علامہ نابلوسی (ایضاح الدلالات فی سماع الآلات)

۳۔ مولانا جعفر شاہ پھلواروی (اسلام اور موسیقی)

۴۔ علامہ عطا محمد بندیالوی (قوالی کی شرعی حیثیت)

عورت کے چہرے کا پردہ: عورت کے چہرے کے پردے میں ابتداء ہی سے اختلاف موجود رہا ہے اور اکثر فقہاء کا موقف عورت کے چہرے کے پردے کے عدم جواز کا ہے، اور یہی موقف جاوید احمد غامدی صاحب کا ہے۔ غامدی صاحب لکھتے ہیں:

"سورہ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی ازواج مطہرات، آپ کی بیٹیوں اور عام مسلمان خواتین کو مزید یہ ہدایت فرمائی کہ اندیشے کی جگہوں پر جاتے وقت وہ اپنی کوئی چادر اپنے اوپر ڈال لیا کریں تاکہ دوسری عورتوں سے الگ پہچانی جائیں اور ان کے بہانے سے کوئی انہیں اذیت نہ دے" (۲۰) اصل اختلاف اس میں ہے کہ غامدی صاحب کے نزدیک عام مسلمان عورتوں کے مردوں سے اختلاط کے وقت کے آداب سورہ نور میں بیان کر دیئے گئے ہیں، جبکہ سورہ احزاب کے معاملات خاص ہیں ازواج مطہرات کے لیے اور عام مسلمان عورتوں کے لئے بھی آئیڈیل معاملات یہی ہیں جو ازواج مطہرات کو دیئے ہیں لیکن چونکہ عام عورتوں کے لئے دیگر کام بھی کرنے کے ہوتے ہیں اس لئے اصلاً مطلوب و لازمی وہی معاملات ہیں جو سورہ نور میں بیان ہوئے ہیں کہ غض بصر سے کام لیں شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔

ڈوپٹہ کا شرعی حکم: مرد و زن کے اختلاط کے موقع پر عورتوں کو جن امور کا لحاظ رکھنا چاہیے ان میں ایک چیز ڈوپٹہ کا استعمال بھی ہے۔ غامدی صاحب کے نزدیک: "عورت کا سینہ بھی چونکہ صنفی اعضاء میں سے ہے پھر گلے میں زیورات بھی ہوتے ہیں اس لئے ایک مزید ہدایت یہ فرمائی ہے کہ اس طرح کے موقعوں پر اسے اپنے ڈوپٹے سے ڈھانپ لینا چاہیے۔ اس سے ظاہر ہے کہ گریبان بھی فی الجملہ چھپ جائے گا، یہی مقصد اگر ڈوپٹے کے سوا کسی اور طریقے سے حل ہو جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ مدعا یہی ہے کہ عورتوں کا اپنا سینہ اور گریبان مردوں کے سامنے کھولنا نہیں چاہیے بلکہ اس طرح ڈھانپ کر رکھنا چاہیے کہ وہ نمایاں نہ ہو اور نہ ہی اس کی زینت کسی پہلو سے نمایاں ہونے پائے۔ (۲۱)

اختلاف مسئلہ فقط اس میں ہے کہ غامدی صاحب نفس ڈوپٹے کے استعمال کو حکم شرعی نہیں کہتے ہیں بلکہ اسے تہذیبی روایت سمجھتے ہیں۔ اور اصل چیز سینے کا ڈھانکنا ہے جس کے لئے ڈوپٹہ یا اسی طرح کی کوئی بھی شے استعمال کی جا سکتی ہے۔

رجم کی سزا کی مختلف تعبیر: فقہائے احناف کے نزدیک زنا کے جرم کی سزا کنواروں کے لئے سو کوڑے ہیں، جو کہ قرآن سے ثابت ہیں اور شادی شدہ زانیوں کے لئے رجم کی سزا مقرر ہے، جو کہ سنت سے ثابت ہے۔ جس میں مشہور ماعز اور غامدیہ کا قصہ ہے، اسی طرح مزدور کا قصہ، اس کے علاوہ یہودیوں کے معاملات میں رسول اللہ ﷺ سے زنا کے مجرموں کی سزا کا حکم دریافت کیا گیا تو آپ نے تورات کے مطابق رجم کا فیصلہ دیا، شادی شدہ زانیوں کیلئے۔ ان واقعات کے علاوہ بھی کتب صحاح میں قولی احادیث مروی ہیں جن میں شادی شدہ زانیوں کے لئے رجم کی سزا مقرر کی گئی ہے۔ اس کے برعکس غامدی صاحب کا موقف یہ ہے کہ زنا کی

سزا قرآن میں سو کوڑے ہے جو کہ شادی شدہ و غیر شادی شدہ دونوں کے لئے ہے۔ رہی ان واقعات کی بات کے جن میں شادی شدہ کو رجم کی سزا دی گئی ہے۔ دراصل یہ سزا سورہ مائدہ کی آیت محاربہ کے تحت دی گئی ہے۔ یہ ان لوگوں کو دی گئی ہے جو عادی بدکار تھے۔ جیسا کہ ماعز کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے خود فرمایا تھا کہ:

کیا یہی نہیں ہوا کہ جب کبھی ہم اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے نکلے تو ہمارے اہل و عیال میں سے ایک شخص پیچھے رہ گیا، جو شہوت کے جوش میں بکرے کی طرح بلبلاتا تھا، سو مجھ پر لازم ہے کہ اس طرح کا کوئی مجرم اگر میرے پاس لایا جائے تو میں اسے عبرت ناک سزا دوں (صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۴۴۲۸) دوسری اہم چیز یہ ہے کہ غامدیہ کے واقعہ میں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ شادی شدہ تھی یا غیر شادی شدہ، اس کے علاوہ جتنی قولی روایات ملتی ہیں وہ آپس میں متضاد ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان روایات کی بنیاد پر زنا کے مجرموں کی سزا میں بھی فقہائے امت میں اختلاف پایا جاتا ہے، اور یہ اختلاف نہ صرف شادی شدہ مجرموں کی سزا میں ہے بلکہ غیر شادی شدہ زانیوں کی سزا میں بھی پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ امام شافعی، امام احمد، امام داؤد، اسحٰق بن راھویہ، سفیان ثوری، حسن بن صالح، ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک غیر شادی شدہ زانی کی سزا سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے، امام احمد، اسحٰق بن راھویہ، اور امام داؤد کے نزدیک شادی شدہ زانی کو قرآن مجید کی رو سے سو کوڑے مارنے کے بعد سنت کی پیروی میں سنگساری کی سزا دی جائے گی۔ آخری اہم چیز یہ ہے کہ اگر ان احادیث کی بنیاد پر زنا کی سزا میں تبدیلی کو تسلیم کرلیا جائے تو اس سے قرآن کریم کا حدیث سے نسخ اور تخصیص کرنا لازم آئے گا۔ جو کہ کسی طور بھی درست نہیں ہے۔ کیونکہ حدیث سے قرآن پر زیادتی نہیں کی جاسکتی جیسا کہ امام شاطبی اور امام احمد بن حنبل نے کہا ہے:

سنت یا قرآن کا بیان ہوگی یا اس پر اضافہ، پس اگر وہ بیان ہے تو اس کا مرتبہ اس چیز کے مقابلے میں ثانوی ہے جس کا وہ بیان ہے اور اگر بیان نہیں ہے تو اس کا اعتبار اس صورت میں ہوگا جبکہ وہ چیز جو اس میں مذکور ہے قرآن مجید میں نہ پائی جائے۔ (۴۲)

امام شاطبی مزید لکھتے ہیں: سنت کے کتاب پر قاضی ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اسے کتاب پر مقدم ٹھیرایا جائے اور کتاب کو اس کے مقابلے میں چھوڑ دیا جائے بلکہ جو کچھ سنت میں بیان کیا جاتا ہے وہ کتاب کی مراد ہوتا ہے، گویا سنت احکام کتاب کے معانی کے لئے شرح و تفسیر کی حیثیت رکھتی ہے اور یہی بات قرآن مجید کی آیت لتبین للناس مانزل الیھم. میں واضح کی گئی ہے۔ (۴۳)

امام احمد بن حنبل سے متعلق روایت: فضل بن زیاد کہتے ہیں کہ احمد بن حنبل سے حدیث: ان السنۃ قاضیہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: میں یہ کہنے کی جسارت نہیں کرسکتا کہ سنت کتاب اللہ پر قاضی ہے۔ سنت تو کتاب اللہ کی شرح و تفسیر ہے۔ فضل کہتے ہیں کہ میں نے ان کا یہ ارشاد بھی سنا کہ سنت قرآن مجید کی کسی بات کو منسوخ نہیں کرسکتی قرآن کو صرف قرآن منسوخ کرسکتا ہے۔ (۴۴)

جہاد کا موقف: جہاد کے بارے میں غامدی صاحب کی رائے یہ ہے کہ: جہاد دو صورتوں میں کیا جاسکتا ہے ا۔ ظلم و عدوان

کے خلاف۔ ۲۔ اتمام حجت کے بعد منکرین حق کے خلاف۔

پہلی صورت شریعت کا ابدی حکم ہے اور اس کے تحت جہاد اسی مصلحت کے تحت کیا جاتا ہے۔ جو اوپر بیان ہوئی ہے۔ دوسری صورت کا تعلق شریعت سے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے قانون اتمام حجت سے ہے، جو اس دنیا میں ہمیشہ انہی لوگوں کے ذریعہ سے روبہ عمل ہوتا ہے، جنھیں اللہ "شہادت" کے منصب پر فائز کرتے ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ حق کی ایسی گواہی بن جاتے ہیں کہ اس کے بعد کسی کے لئے اس سے انحراف کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ انسانی تاریخ میں یہ منصب آخری مرتبہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کو حاصل ہوا ہے۔ (البقرۃ ۲:۱۴۳)۔ اس قانون کی رو سے اللہ کی حجت جب کسی قوم پر پوری ہو جاتی ہے تو اس کے منکرین پر اسی دنیا میں عذاب آ جاتا ہے۔ یہ عذاب آسمان سے بھی آتا ہے اور بعض حالات میں اہل حق کی تلواروں کے ذریعے سے بھی، پھر اس کے نتیجے میں منکرین لازماً مغلوب ہو جاتے ہیں اور ان کی سرزمین پر حق کا غلبہ پوری قوت کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کی طرف سے اتمام حجت کے بعد یہی دوسری صورت پیش آئی، چنانچہ انہیں جس طرح ظلم وعدوان کے خلاف جہاد کا حکم دیا گیا، اسی طرح اس مقصد کیلئے بھی تلواریں اٹھانے کی ہدایت ہوئی، یہ خدا کا کام تھا جو انسانوں کے ہاتھوں سے انجام پایا، اسے ایک سنت الٰہی کی حیثیت سے دیکھنا چاہیے۔ انسانی اخلاقیات سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے یعذبھم اللہ بایدیکم (التوبہ ۹:۱۴) (اللہ انہیں تمہارے ہاتھوں سے سزا دے گا)، کے الفاظ میں یہی حقیقت بیان ہوئی ہے۔ (۲۵) اس کے برعکس ایک بڑا طبقہ علماء کا اس موقف کا حامی ہے کہ آج بھی کفار وغیر مسلم کے خلاف جہاد کیا جائے گا اور انہیں اسلام قبول کرنے، جزیہ دینے یا جنگ کی پیشکش کی جائے گی۔ اگر غامدی صاحب کے موقف کو غلط تسلیم کریں تو ہمارے پاس امریکی جارحیت کو غلط کہنے کی کوئی گنجائش کسی طور بھی نہیں رہے گی۔ کیونکہ آج اس کے پاس طاقت ہے لہذا اگر اس کی بات نہ مانی جائے تو وہ بھی جنگ مسلط کرنے میں حق بجانب ہوگا۔

شاتم رسول ﷺ اور مرتد کی سزا: شاتم رسول ﷺ اور مرتد کی سزا کے بارے میں فقہائے امت کی اکثریت کا اتفاق قتل کر دینے کی سزا کا ہے۔ الا یہ کہ شاتم رسول اگر غیر مسلم ہو تو امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک اسے قتل نہیں کیا جائے گا، کیونکہ وہ اس سے قبل شرک جیسے بڑے گناہ کا مرتکب ہو رہا ہے، اسی طرح عورت مرتد ہو جائے تو اسے بھی قتل نہیں کیا جائے گا۔ شاتم رسول ﷺ اصلاً مرتد ہو جاتا ہے اور مرتد کی سزا چونکہ قتل ہے اس لئے اسے قتل کیا جاتا ہے۔ اور مرتد کی سزا فقہائے احناف آیت حرابہ کے ضمن میں پیش کرتے ہیں، جبکہ دیگر کا مستدل متعدد احادیث ہیں۔ غامدی صاحب کا موقف اس ضمن میں یہ ہے کہ مرتد وشاتم رسول کو قتل نہیں بلکہ انہیں سمجھایا جائے گا اور ان کی الجھن کو سلجھایا جائے گا، تا کہ وہ رجوع کر لیں۔ کیونکہ ان کے لئے خدا کی طرف سے کوئی سزا مقرر نہیں ہے۔ رہا سوال جہاں تک رسول اللہ ﷺ کے دور کے مرتدین کا اور شاتمین کا یا صحابہ کے دور کے مرتدین کا تو وہ اصلاً خدا کے قانون اتمام حجت کے پورے ہونے کے بعد کا ہے یعنی ان کی یہ سزا ان کے ارتداد وشتم کی بجائے حق واضح ہو جانے کے بعد اس کے انکار کے سبب ہے، اسی طرح جن شاتمین کو رسول اللہ ﷺ نے خود سزا دلوائی اس کا سبب بھی یہی تھا کہ وہ دین کے قانون اتمام حجت میں رکاوٹ بن رہے تھے۔ اسی وجہ سے انہیں قتل کروایا۔ (۲۶) دوسری چیز قتل کی سزا کے بارے میں غامدی صاحب کی رائے یہ ہے

کہ موت کی سزا قرآن مجید کی رو سے قتل نفس اور فساد فی الارض کے سوا کسی جرم میں بھی نہیں دی جا سکتی ہے۔ فرمایا کہ بنی اسرائیل کو شریعت دی گئی تو یہ بات اسی وقت لکھ دی گئی تھی کہ:

> انہ من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا. (المائدہ ۵: ۳۲)
>
> جس نے کسی کو قتل کیا، اس کے بغیر کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو یا زمین میں فساد برپا کیا ہو تو گویا اس نے سب انسانوں کو قتل کیا۔ یہ قرآن کا صریح ارشاد ہے لہذا ان دو جرائم کے سوا فرد یا حکومت یہ حق کسی کو بھی حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی شخص کی جان کے درپے ہو اور اسے قتل کر ڈالے۔ (۲۷)

حوالہ جات

۱۔ جاوید احمد غامدی، میزان، ایمانیات، المورد ادارہ تحقیق، طبع 2009، ص:۱۷۸

۲۔ میزان، طبع 2009، ص:۱۷۸

۳۔ میزان، طبع 2009، ص:۱۳۶۔۱۳۹

۴۔ علامہ غلام رسول سعیدی، شرح صحیح مسلم، فرید بک اسٹال، طبع رابع ۱۹۹۴، ج:۲، ص:۳۶

۵۔ شرح صحیح مسلم، فرید بک اسٹال، طبع رابع ۱۹۹۴، ج:۲، ص:۳۹

۶۔ شرح صحیح مسلم، فرید بک اسٹال، طبع رابع ۱۹۹۴، ج:۲، ص:۴۰

۷۔ میزان، طبع 2009، ص:۱۳۸۔۱۳۹

۸۔ میزان، طبع دوم اپریل 2002، ص:۹

۹۔ میزان، طبع دوم اپریل 2002، ص:۱۰

۱۰۔ میزان، طبع دوم اپریل 2002، ص:۱۰

۱۱۔ رحمۃ اللہ الواسعہ شرح حجۃ اللہ البالغہ، ج:۲، ص:۲۱۰، ماخوذ از غامدی صاحب علماء کی نظر میں، مفتی فیصل خورشید جاپان، طبع اگست 2008، ص:۴۵

۱۲۔ میزان، طبع دوم اپریل 2002، ص:۶۸۔۶۹

۱۳۔ میزان، طبع دوم اپریل 2002، ص:۳۶

۱۴۔ میزان، طبع دوم اپریل 2002، ص:۴۷۔۴۸

۱۵۔ غامدی صاحب علماء کی نظر میں، مفتی فیصل خورشید جاپان، طبع اگست 2008، ص:۴۳

۱۶۔ میزان، قانون معیشت، طبع 2009، ص:۵۱۶۔۵۲۲

۱۷۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، ص:۳۹۲، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ، ماخوذ از غامدی صاحب علماء کی نظر میں، ص:۱۷

۱۸۔ غامدی صاحب علماء کی نظر میں، مفتی فیصل خورشید جاپان، طبع اگست 2008، ص:۲۲

۱۹۔ پروگرام آج اسلام، موضوع فنون لطیفہ (موسیقی) ماخوذ از سی ڈی جاوید احمد غامدی کے آج ٹی وی کے پروگرام۔

۲۰۔ جاوید احمد غامدی، قانون معاشرت، ص:۹۰

۲۱۔ قانون معاشرت، المورد ادارہ تحقیق، مئی 2005، ص:۸۲۔۸۴

۴۲۔ جاوید احمد غامدی، برہان، طبع دسمبر، ص:۴۰

۴۳۔ برہان، 2009، ص:۴۷

۴۴۔ برہان، ص:۴۶

۴۵۔ میزان، قانون جہاد، طبع 2009، ص:۲۲۳۔

۴۶۔ برہان، حدود و تعزیرات، ص:۱۳۸۔۱۴۲

۴۷۔ میزان، ص:۱۴۲

کائنات کی سب سے افضل و اعلیٰ اور برتر و بالا ہستی

کے تعلق سے سیرت پر

ڈاکٹر شکیل اوج کی اہم کتاب

صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم

اس کتاب کے عنوانات یہ ہیں:

(۱) قرآن بطور ماخذ سیرت، (۲) روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرے کی تشکیل بضرورت (سیرت طیبہ کی روشنی میں)، (۳) اسلام کا تصور جہاد۔ دفاعی یا اقدامی؟، (۴) تفسیر احسن سلامتی صلی اللہ علیہ وسلم، (۵) قرآن اور ختم نبوت، (۶) الاُمّی کے معنی کی تحقیق اور اس کے اطلاقات، (۷) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اقتصادیات، (۸) اسیرانِ بدر اور عتاب خداوندی (مختلف تفاسیر کی روشنی میں علمی بحث)، (۹) غزوہ خندق اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی و سیاسی حکمت عملی، (۱۰) غزوہ خندق تذکرہ و تبصرہ (سورۃ الاحزاب کی روشنی میں)، (۱۱) لفظ فتح کا معنی و مفہوم (صلح حدیبیہ کے تناظر میں)، (۱۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح اور ان کی حکمتیں۔

مسند سیرت، جامعہ کراچی

صفحات:240 قیمت:350